فرحت عباس شاہ کی کتاب "اردو کا ادرا کی تنقیدی دبستان" کا تنقیدی جائزہ

کلیدی الفاظ: رومانی # مارکسی # تاریخی # روایت پسند # جدت پسند #

ثمینہ نورین
ریسرچ سکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اردو،
فارمن کرسچن کالج اے چارٹرڈ یونیورسٹی (لاہور)

تلخیص: تنقیدی دبستان کی ادب میں بہت اہم جگہ ہوتی ہے۔ کسی بھی دور میں جو ادب تخلیق ہو رہا ہو اس کی پرکھ اور جانچ پڑتال کو اسی عہد کے نقاد مختلف دبستانوں کے تحت تقسیم کر دیتے ہیں کہ تحریر کی اہمیت اور ضرورت کیا تھی اور وہ کس حد تک اپنے عہد کی نمائندگی کرنے والی تحریر ہے۔ رومانی، مارکسی، تاریخی، روایت پسند یا جدت پسند، کن خصوصیات کی حامل ہے۔ اسی طرح ادرا کی دبستان ہے۔ جسے جدید اور آزادی رائے کا حامل کہا جا سکتا ہے۔ جس پر لکھنے والے کی فہم و فراست پر بھروسہ علم و عقل کی بنیاد پر کر کے اسے سرسری پرکھ دی جاتی ہے۔ روایتی سانچوں کے مطابق بھاری بھرکم فتوے نہیں لگائے جاتے۔ عقل کے پیمانے پر ہونے والی تنقید کو ادرا کی تنقید کہتے ہیں۔

ادرا کی تنقید اصل ارتقاء ہے۔

"اَدب " زندگی شائستگی سے گزارنے کا نام ہے۔ جو اور جیسی زندگی سماجی، معاشی، ذاتی، سیاسی، اور تاریخ و ثقافت کے لحاظ سے گزر رہی ہے اسے کہہ دینے یعنی لفظوں کے حوالے کر دینا، اور خود ہلکے پھلکے ہو جانا لیکن "تخیل" شامل ہو تو ادب ہے۔ باتیں گھڑنے کی صلاحیت نے داستان کو جنم دیا۔ اصل میں یہ " تخیل " تھا ادراک اور شعور تھا جو جذبات و احساسات کو اور ماحول کو زبان دے کر کہانی بنا لیتا تھا۔ انسان چونکہ خود ایک تخلیق ہے۔ نسل در نسل وہ ارسطو کے نظریہ نقل کی نقل کو تخلیق بنانے میں نجانے کب سے کوشاں ہیں۔ اب داستان گھڑ تو لی لیکن داستان گو نثری داستان گھڑ رہا ہے یا منظوم۔ وہ

کیسا لب ولہجہ اور زبان استعمال کر رہا ہے؟ جو عام فہم ہے، جس میں آرائش وزیبائش ہے یعنی حسن نظر، افسانوی رنگ۔ جمالیاتی حِس اور عام باتوں سے ماوراء، کسی قدر مبالغہ ہوگا تو وہ تحیر کی فضا بنا سکے گا۔ اب سننے والوں میں کچھ لوگ اپنے حساب سے غور کرتے ہیں کہ تخلیق کار فضا بنانے میں، سامعین، قارئین اور ناظرین کی توجہ حاصل کر سکا؟ یا نہیں۔ یہ نقاد تھا، جو غور وفکر، فہم وادراک کے دریچے کھول کر بیٹھا ہے جس کی تمام تر حسیات سماعت بنی رہتی ہیں جو عام آدمی سے زیادہ سنتا، سمجھتا اور پرکھتا ہے۔ جو تخلیق سے مسرت اور ملال کشید کرتا ہے۔ ہم نے اردو ادب میں تنقید انگریزی ادب سے سیکھی اور بہت بھاری اصطلاحات کے ساتھ تراجم کے سانچوں میں ڈھال دیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اپنی کتاب "ولی سے اقبال تک" میں لکھتے ہیں۔

> "میتھیو آرنلڈ کے نزدیک وہ تمام علم جو کتب کے ذریعے ہم تک پہنچتا ہے، ادب کہلاتا ہے۔ میتھیو آرنلڈ اپنے عہد کی اخلاقیات کا نقاد اور معترض تھا۔ وہ شاعر بھی تھا اور نقاد بھی لیکن ان اوصاف کے علاوہ وہ نقادوں کا نقاد اور معاشرے کا نقاد بھی تھا۔(" سید عبداللہ، 2018: 22)

اب ایک بات تو واضح ہوگئی کہ ادب کو نقاد کی ضرورت ہے۔ دوسری بات یہ کہ نقاد اور معترض میں فرق ہے۔ نقاد تحریر کی پرکھ کرے گا، غیر جانبدار طریقے سے جبکہ معترض صرف اعتراض اور نکتہ چینی کرتا ہے۔ وہ منفی رائے زیادہ دیتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ نقاد اگر شاعر اور ادیب بھی ہو تو وہ اپنے اردگرد پھیلے علم کے گذشتہ اور حاضر خزانے کو اپنے اندر انڈیلتا ہے تاکہ وسیع المطالعہ ہو کر اپنی رائے دینے کے قابل ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ادب میں زیادہ تعداد میں نقاد نہیں ہوتے۔ یہاں ایک اور مضبوط وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے سامنے تنقید کو ثقیل بنا کر، دشوار انداز میں پیش کیا گیا کہ خود ادب کا طالب علم اس صنف ادب سے دور بھاگنے لگا۔ اس قدر مشکل الفاظ جو انگریزی سے اردو تراجم کی صورت ہم پر لاگو کر دیے گئے کہ " تنقید " کا لفظ ہی ناگوار ہو گیا۔ میں خود کئی سال سے ادب کی مختلف اصناف میں طبع آزمائی کر رہی ہوں حتیٰ کہ کتابیں پڑھ کر گہرائی سے ان کے موڈ اور موٹیویشن، مقاصد اور اثرات پر رائے دیتی رہتی ہوں۔ لیکن جب مجھے تنقید بحیثیت ایک سبجیکٹ پڑھنے کی ضرورت پڑی تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ چند مخصوص مصنفین کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ جنہوں نے افلاطون اور ارسطو کی تحریروں اور نظریات کو ہی الجھا کے رکھ دیا ہے۔ ایڈگر ایلن پو، میتھیو آرنلڈ، رسکن، والٹر پیٹر،

ہینری جیمسن، ٹی ایس ایلیٹ، آئی اے رچرڈسن آپ ان کے خالص نظریات کو پڑھیں تو نظم ونثر سے زیادہ لطف اندوز چیز تنقید ہے لیکن انہی کے کہے کو اردو میں ایک عفریت بنا دینے والی تنقید ہمارے ہاں مرتب کی گئی۔ ہندو پاک کے تنقید میں بڑے نام آل احمد سرور، احتشام حسین، کلیم الدین احمد ، ڈاکٹر انیس نا گی، پروفیسر خورشید الاسلام، محمد حسن عسکری، گوپی چند نارنگ، شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر وزیر آغا، پروفیسر قمر رئیس، سلیم احمد، ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری، عبدالقادر سروری اور سید سجاد ظہیر، اس کے علاوہ بھی بہت سے نام ہیں، جنہوں نے تنقید میں مستند نظریات دیئے۔ ان ناموں اور ان کے نظریات سے بھی اتفاق اور رَد کی بحث ہر دور میں چلتی رہی ہے۔ بحث ادب کی جاوداں زندگی ہے جو ارتقاء کا ذریعہ بنتی ہے۔ عہد حاضر میں جمیل الدین عالی، ناصر عباس نیر، امجد طفیل اور دیگر نقادوں نے بھی کمر شل ہونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی یعنی انہوں نے تنقید کے بھاری تاثر کو آسان دکھانا چاہا۔ اس کے باوجود تنقید عام دلچسپی اور رجحان کی چیز نہیں بن سکی۔

حال ہی میں فرحت عباس شاہ صاحب نے ادرا کی تنقید سے تعارف کروایا۔ کتاب جب تک ہاتھ میں نہیں آئی تھی میں نے یہی اندازہ لگا رکھا تھا کہ یہ ایک اور مشکل ترین چیز ہوگی خیر اسے بھی سمجھنا تو پڑے گا۔ علم وادب مسلسل تربیت اور تزئین کا متقاضی رہتا ہے۔ کتاب "اردو کا تنقیدی دبستان " شاہ صاحب نے مجھے عنایت کی۔ تو میں پڑھتی چلی گئی۔ آغاز سے اختتام تک انہوں نے فہم وادراک کے مختلف مراحل تک ایسی آسانی اور سہولت سے سفر کروایا کہ کسی دشواری یا بوجھل پن کا احساس تک نہیں ہوا۔ مجھ پہ پہلی بار یہ کھلا کہ تنقید اصل میں ادراک کی دین ہے اسی کی عطا ہے۔ اس سے پہلے میں نے ڈاکٹر عبادت بریلوی کی کتاب "غزل اور مطالعہ غزل" میں پڑھا تھا۔

> "اصناف ادب کی تخلیق کسی معجزے کی محتاج نہیں ہوتی، مخصوص جغرافیائی حالات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مخصوص تمدنی اور معاشرتی ماحول تخلیق میں ممد و معاون ہوتا ہے۔"
>
>)عبادت بریلوی، (7 :1997

یہاں ہم دیکھتے ہیں ادیب کے پاس اپنا ایک مخصوص نقطہ نظر اور فکر ضرور ہے لیکن وہ لگے بندھے قوانین کا پابند ہو یہ ضروری نہیں۔ فرحت عباس شاہ نے ادرا کی تنقید کو یوں دلکشی بخشی کہ

> "ادرا کی تنقید پہلے سے موجود تصورات ونظریات کی عینک سے ادب کی چھان پھٹک کی بجائے فنون کو ان کے بنیادی تخلیقی جواز

کے آئینے میں دیکھنے کا نام ہے۔ادیب کوئی ناول کیوں لکھتا ہے؟
مصور تصویر کیوں بناتا ہے اور کیسے بناتا ہے؟ اور وہ اس میں کس
حد تک کامیاب رہا؟)" .شاہ،(2023: 3

خود ہی ایک سوال اٹھاتے ہیں کہ جب تنقید کے اتنے دبستان پہلے سے موجود ہیں تو پھر ادرا کی تنقید کیوں؟ اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔

"پہلے سے موجود دبستان براہ راست فنون لطیفہ کی پرکھ اور پرچول
کے لیے نہیں بنائے گئے بلکہ پہلے سے موجود نظریات کے
معاشرے اور فرد پر اثرات اور اثر ونفوذ کے باعث موءثر نقطہ نظر
کے طور پر ان کی روشنی میں تخلیق کی پرکھ پرچول کی ضرورت کے
تحت لاگو کیے گئے ہیں۔ جبکہ ادرا کی تنقید تمام فنون لطیفہ پر بالعموم
اور ادب پر بالخصوص جغرافیے یا تہذیب وتمدن اور شعبے تک محدود
نہیں۔(" شاہ،(2023: 37

یعنی کہ ادرا کی تنقید گھٹن زدہ اور اکتاہٹ سے بھرے بھاری پن کو لاگو نہیں کرتی۔ بلکہ تنقید کے جمالیاتی اوصاف کو کھولتی اور پیش کرتی ہے۔

اس کتاب کے بارے میں عامر سہیل لکھتے ہیں کہ

"فرحت عباس شاہ جیسے صاحب نظر نقاد اور تخلیق کار نے اس
تنقیدی جمود کو توڑنے کی پہلی بھرپور کوشش کر دی ہے جو کچھ
دنوں تک کتابی صورت میں ہمارے سامنے ہوگی۔اس وقت تھیوری
والی تنقید اور سماجیات سے لدی تنقید نے جس طرح ادبی تنقید کا چہرہ
مسخ کر رکھا ہے یہ کتاب اس اثر کو زائل کرنے کا فریضہ بھی انجام
دے گی۔فرحت عباس شاہ کا کمال یہ ہے کہ وہ ادبی بطل پرستی کو
خالص علمی اور منطقی دلائل کے ساتھ نیز ادبی اور ذوقی پیمانوں کی بنیاد
پر رد کرتے ہیں۔اس وقت ایک ایسے ہی نقاد کی ضرورت تھی جو ادبی
تنقید کی کھوئی ہوئی ساکھ کو بحال کرے۔ (شاہ،(2023: 74

مندرجہ بالا اقتباس میں عامر سہیل تنقیدی میدان میں فرحت عباس شاہ کے بیان کردہ نئے پہلوؤں کی تعریف کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ تنقیدی شعبے میں جو ایک روایتی طریقہ کار برسوں سے چلا آرہا تھا انہوں نے اس سے انحراف کرتے ہوئے ایک نیا طریقہ وضع

کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو کہ تنقیدی تھیوریز کی رویتی اتباع پر منحصر نہیں بلکہ منطقی دلائل پر فن پارے کو پرکھتا ہے۔ علی نواز شاہ اس حوالے سے رقمطراز ہیں کہ

"عہدِ حاضر کے عظیم شاعر اور مفکر فرحت عباس شاہ نے اکنامکس ،مائیکرو وفائنانس ، بنیادی لاشعور کی نفسیاتی تھیوری اور اب یہ ادرا کی تنقید چار تھیوریاں پیش کر کے ہمارا قومی شکوہ دُور کیا کہ ہمارے ہاں کوئی موجد ، تھیورسٹ یا نظریہ ساز کبھی پیدا نہیں ہوا ۔ دوسرا حقیقی ادب اور حقیقی ادیب کو اہمیت ، عزت اور ترجیح دینے کی ضرورت اور اہمیت کا شعور اجاگر کرنے کی تحریک کا عملی نمونہ خود پیش کر کے دکھا دیا ہے تا کہ زبانی کلامی گفتگو کر کے پتلی گلی سے نکل جانے والے دانشوروں کی منافقت بے نقاب ہو سکے۔"

شاہ، :2023

ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہمارے اس مشکل ترین علم اور ادب دشمن عہد میں ایک بڑا انسان سرتان کے کھڑا سماج کے بچے کھچے اہل علم اور اہل بصیرت افراد کو عزت دینے کا قرینہ سکھا رہا ہے۔ ڈاکٹر شاہد اشرف لکھتے ہیں کہ

"فرحت عباس شاہ نے اس تنقید کا تار و پود گزشتہ کی بجائے آئیندہ کی حکمت عملی سے ترتیب دیا ہے۔ وہ تھیوری کے نام پر کنفیوزن پیدا کرنے والے نقادوں کو سخت ہدفِ تنقید بناتے ہیں اور مرعوب ذہنوں کو دعوت فکر دیتے ہیں۔ ان نقادوں نے مغربی فکر کو لنڈے کے ملبوسات کی طرح قبول کر لیا ہے اور تفاخر سے سینہ پھیلا کر چلتے ہیں۔ " شاہ :2023

مندرجہ بالا تمام شہادتوں سے ہم ادرا کی تنقید اور فرحت عباس شاہ کی پیش کردہ اس کاوش "اردو کا ادرا کی تنقیدی دبستان " کی وجہ اور غرض و غایت تک سفر کر آئے ہیں۔ ہم پر ادرا کی آسانیاں واضح ہو چکی ہیں۔ اور دوسرے تمام دبستان جو اصل میں سابقہ طے شدہ پیمانے ہیں ان کا بخوبی ادراک ہو چکا ہے۔ تخلیق تنقید کے موضوع پر ڈاکٹر سلیم اختر کی بات بہت اہم ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"تخلیق ہو یا تنقید۔۔۔ تصوراتِ نو کے چراغ فروزاں ہوتے رہتے ہیں۔ ساتھ ہی کچھ چراغوں کی لو مدھم پڑ جاتی ہے، کچھ بجھ

جاتے ہیں تو کچھ بجھنے کے بعد دھواں دیتے رہتے ہیں۔ یہی زندگی
کا چلن ہے۔) " سلیم اختر،(52 :1997

ڈاکٹر سلیم اخت پیشِ بالا اقتباس میں اس حقیقت کا اعتراف کر رہے ہیں کہ زمانے کے تغیر کے ساتھ ادب کی ہئیت، معیار اور اسے پرکھنے کے تنقیدی سانچے بدلتے رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ کتاب عہد حاضر کے بہترین قلمکار جنہیں نظر انداز کیا گیا ہے ان کے فن کی معراج کے روشن گوشوں تک ہمیں رسائی دیتی ہے۔ شاہ صاحب نے اس کتاب کو چند حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ چند معتبر تخلیق کاروں اور ناقدین کی آراء کے بعد ادرا کی تنقید کے جواز پر " مباحث " ناول کے لیے ادرا کی نقد ونظر، افسانہ کے لیے ادرا کی نقد ونظر اور پھر شاعری کے لیے ادرا کی نقد ونظر پیش کیے ہیں۔ یوں ادب کی کسی صنف کے لیے تشنگی نہیں رہی۔ میں سمجھتی ہوں یہ کتاب فرحت عباس شاہ صاحب کے لیے ادرا کی تنقید کے سفر کا آغاز ہے وہ اس سلسلے کو آگے ضرور بڑھائیں گے۔ تاکہ اس نظریے کا تسلسل اور مستند وجود قائم رہے۔

ناول میں ڈاکٹر انیس ناگی کے ناول " چوہوں کی کہانی" کے بارے میں تفصیلی تبصرہ کرتے ہیں اس کی جزئیات کو نمایاں کرتے ہیں۔ مختلف ناول نگاروں کے اسلوب کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

"ڈاکٹر انیس ناگی کے ناول " دیوار کے پیچھے، میں اور وہ، زوال، ایک گرم موسم کی کہانی، ایک لمحہ سوچ کا، قلعہ، محاصرہ اور چوہوں کی کہانی " ان میں سے کوئی بھی ناول اردو ادب کی کسی روایت سے منسلک نہیں ہے۔ اگرچہ انہوں نے مغربی ناول نگاری سے انسپائریشن ضرور لی ہے لیکن اس کے باوجود ان کے ناولوں کے ایک ایک جملے سے لے کر پلاٹ اور ٹریٹمنٹ تک ہر شے بڑی وضاحت اور قوت سے بتاتی ہے کہ وہ انیس ناگی ہے۔
)"شاہ،(78 :2023

پھر آگے بتاتے ہیں کہ ناول ضخیم نہیں لیکن گہری معنویت کا حامل ہے۔ ہمارے معاشرتی زوال کو ہماری ہی سائیکی کی وجہ دکھاتے ہیں۔ جگہ جگہ اپنی غلطی کا اعتراف اور تدارک کرتے ہیں۔ علی نواز شاہ کے ناول " یہوہ " پر روشنی ڈالتے ہیں۔

"یہ ناول دراصل انسانی تاریخ کی کہانی ہے۔ انسانی عقائد کے ارتقاء وزوال، علوم کی ماہیت، فکر وفلسفہ کی منازل، تفہیم فطرت اور

نظریات کے تصادم کی ایسی دستاویز ہے جسے انتہائی اختصار سے تحریر کی گئی تفصیل قرار دیا جاسکتا ہے۔ " شاہ،(2023: 81

منصور آفاق کے ناول " آقا قافا" کے متعلق لکھتے ہیں۔

"لہٰذا یہ سمجھ میں آنا آسان ہے کہ ناول کا مرکزی کردار اپنے جن خیالات، احساسات، خواہشات یا جذبات کو کسی بھی وجہ سے اپنے لاشعور میں دفن کر چکا تھا وہ زندگی کے کسی حصے میں تخلیقی پیرہن اوڑھ کر ذہن کے نفسیاتی نظام کے زیر اثر تحت الشعور تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔) " شاہ،(2023: 84

مزید لکھتے ہیں کہ لکھتے ہیں کہ

"اس ناول کا ایک منفرد پہلو یہ ہے کہ اس کہانی کے دونوں حصوں میں ناول نگار اپنے نام سمیت مرکزی کردار کے طور پر موجود ہے۔ "شاہ،(2023: 90

گلوبل ویلیج بنی دنیا کے مختلف نظاموں کو زیر قلم لاتا یہ ناول شاہ صاحب نے پوری طرح پرکھ ڈالا ہے۔ وہ اسے صرف اردو ادب کے لیے ہی نہیں بلکہ دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے ادب کے لیے بھی بہترین اور مفید قرار دیتے ہیں۔ پھر وہ منصور آفاق کے ناول " علی روئی" جو کہ چینی ادب سے ماخوذ ہے۔ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ ترجمہ اس خوش اسلوبی سے کیا گیا ہے کہ نیا ناول تیار ہو گیا ہے۔

اسد محمود خان کے ناول " پیاری حلیمہ " کو شامل تنقید کرتے ہیں۔ یہ محبت اور وفا کی کہانی ہے۔ اسد محمود خان کے شاعر ہونے کی وجہ سے اس ناول کو فرحت عباس شاہ ناول نگار کے اندرون کی داستان قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"ناول کی زبان خالصتاً تخلیقی ہے اور میرے پاس اسے نثری نظم کے قریب قریب قرار دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔) " شاہ، 2023: 94)

کامریڈ ریاض احمد کے ناول " شجر حیات " کا تجزیہ کرتے ہوئے اسے لمحہء موجود کی کہانی کہتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

"اس ناول کی زبان شاعرانہ اور اسلوب مفکرانہ ہے۔ جو اسے نہ صرف ایک معتبر انفرادیت بخشتا ہے بلکہ مصنف کی علمی، سائنسی، فلسفیانہ اور نظریاتی بصیرت سے استفادہ کرنے کا موقع فراہم کرتا

ہے۔)" شاہ،(2023: 95

دوسروں کی تخلیقات کو اس طرح غیر جانبداری سے پرکھنا جب آپ خود ایک اعلیٰ مقام اور حکومتی اعزازات کے حامل ہوں ایک معجزے اور معرکے سے کم نہیں۔ شاہ صاحب کی بصیرت اور ادرا کی تنقید سے حیران کن پہلو سامنے آئے ہیں اور چند مخصوص ادبی حلقوں میں فرحت عباس شاہ کی بصیرت و بصارت کا جتنا انکار کیا جاتا ہے وہ اتنا ہی ابھر کر شان سے سامنے آتے ہیں۔ ایک عاجز اور مگن انسان کی طرح وہ اپنے ہی سفر کی کھوج میں لگے رہتے ہیں۔ زندگی کے کونوں کھدروں تک رسائی پانا ان کا شوق ہے وہ دریافت کے سفر پر نکلے ہوئے ہیں۔ موسیقی، شاعری، تنقید اور ادیبوں، شاعروں کے حقوق کی جنگ لڑنا انہوں نے اپنا مشن بنا لیا ہے۔ جس میں ان کی نیت صاف اور ارادے شفاف ہیں تو کامیابی ضرور قدم چومے گی۔ ایسے لوگ صدیوں یاد رکھے جاتے ہیں، جس میں روشن پہلو ان کی ذات کا مزاحمتی آہنگ ہوتا ہے۔ وہ لکیر کے فقیر نہیں ہیں۔ اپنی الگ آواز اور فکر رکھتے ہیں جس سے اکثر لوگوں کا اختلاف یقینی ہو جاتا ہے۔ غنی خان کے ناول " کرمے کی سرائے" کو ادب میں تازہ ہوا کا جھونکا قرار دیتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ

> "ناول کو شخصیت کے اسی بنیادی اصول کے گرد بُنا گیا ہے کہ کس طرح اردگرد موجود افراد کی طرف سے دی جانے والی ری انفورسمینٹ بچے کے نفسیاتی خصائص وضع کرتی ہے۔ جو عمر بھر اسے اپنے مرتب شدہ ڈیزائن پر چلاتی ہے۔) " شاہ، 2023: 97)

اس کے بعد افسانے کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ اظہار اللہ اظہار کے افسانوں کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ واضح کر دیتے ہیں کہ ادب کو جمود نہیں ہے۔ ارتقاء پوری شان سے ہو رہا ہے ورنہ ہمارے نقاد مسلسل یہی خبر دیتے ہیں کہ اب کچھ بھی معیاری نہیں لکھا جا رہا۔" آخری افسانہ " اظہار اللہ اظہار کا افسانوی مجموعہ ہے جس کے محاسن پر تفصیلی تبصرہ ہے۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

> "اب تک میں نے ان کے تین افسانے پڑھے ہیں جن میں عموماً دو کردار سامنے آتے ہیں لیکن ان کے درمیان ہونے والا مکالمہ لاکھوں دلوں میں پڑی گرہوں کو کھولتا چلا جاتا ہے۔"

)شاہ،(2023: 103

اظہر جاوید کے افسانوں جن کے مترجم حنیف باوا ہیں اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

"اظہر جاوید کی کہانیوں کا مطالعہ میرے لیے خوشگوار رہا۔ کہ ان میں ہمارے عہد کے بیشتر کہانی میکرز کی طرح تصنع اور کہانی گھڑنے کی کوشش کی بجائے خودرو پودوں کی طرح اگتی کہانیاں کسی ماہر شاخ تراش کے ہاتھوں سجتی بنتی منظر سے منظر جوڑتی چلی جاتی ہیں اور اجتماعی سماجی ادراک کی کنجی سے ان کے دروازے کھولنا قطعاً مشکل نہیں رہتا۔ " ۔ (شاہ، 2023: 10)

اس کے بعد وہ شاعری کا معطر دریچہ وا کر کے بیٹھے اور ادراک کے پھول بکھیرتے چلے گئے ہیں۔ یہ حصہ منیر نیازی، ن م راشد، مجید امجد، میرا جی، اختر حسین جعفری، شفیق احمد، فیصل زمان چشتی، زین عباس، راغب تحسین، ممتاز اطہر، ڈاکٹر خالدہ انور، خالد احمد، ڈاکٹر شاہد اشرف، اعجاز رضوی، عابد حسین عابد، منظر حسین اختر، جون ایلیا، صابر ظفر اور جمیل الرحمٰن۔ پر مبنی ہے۔ میرے حساب سے کچھ معتبر اور خالص شعراء کے نام شامل نہیں ہیں۔ شاید وہ ان ناموں کو اگلے سلسلے کا حصہ بنائیں کیونکہ یہ تمام شعراء حضرات میرے عہد کے ہیں۔ میں ان سب کو سنتی اور ان کے شخصی اوصاف سے پوری طرح واقف ہوں۔ تو میں شاہ صاحب کے گہرے مشاہدے اور تجزیے کی صلاحیت کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہوں کہ انہوں نے تمام شخصیات کی خوبیوں، خامیوں، انداز بیاں اور جن کے بارے میں کچھ بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تھا ان سے ملمعے اتار پھینکے ہیں۔

بہترین طریقے سے اور انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ شائستہ لب و لہجے میں ادرا کی تنقید کے مراحل کو بخوبی طے کیا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس کتاب کا تجزیہ کرتے ہوئے میں خود تشنگی محسوس کر رہی ہوں میں شاعری والے حصے کے محاسن پر بھی بات کرنا چاہتی ہوں جو شاہ صاحب نے منیر نیازی کی بے نیازیاں اور شاعری کی شان بیان کی۔ جو انہوں نے ن م راشد کی نظموں کے حصے لے کر تجزیے کیے، جو اختر حسین جعفری کی اعلیٰ نظم نگاری کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ جو راغب تحسین اور اعجاز رضوی جیسے ہمہ جہت شاعروں کو نظر انداز کیے جانے کا المیہ بیان کیا۔ جو عابد حسین عابد کی شاعری کے رنگ و آہنگ بیان کیے۔ جو شاہ صاحب نے جون ایلیا کے بارے میں لکھا جسے سوشل میڈیا پر بالکل مختلف بیانیہ بنا کر اڑایا گیا تھا۔ خالد احمد کے شاعروں میں گھرے رہنے کے باوجود منفرد شعر کہنے کا اعتراف کیا۔ جسطرح ممتاز اطہر، صابر ظفر منظر حسین اختر، ڈاکٹر شاہد اشرف، فیصل زمان چشتی اور ڈاکٹر خالدہ انور کے شعری اور شخصی اوصاف پر تفصیلات فراہم کی ہیں۔ وہ یقینی طور پر ادرا کی تنقید کا کمال ہے۔ کوئی ساختیاتی، جدیدیاتی یا مابعد الطبیعیاتی تنقید ان شخصیات کو

شاید کبھی بھی قابل اعتناء نہ سمجھے کیونکہ یہ سب شفق کے وہ رنگ ہیں جو نئی صبحوں کی نوید دیتے ہیں جبکہ تنقید کو نئی صبحوں کی روشنی سے ہمیشہ ہی فاصلے پر رکھا گیا ہے۔ میری گہری دلچسپی اور دلجمعی فرحت عباس شاہ صاحب سے اس ادرا کی تنقید کے سلسے کو جاری رکھنے کی گزارش کرتی ہے۔ ربِ ذی وقار ان کی عزت اور مرتبہ بلند رکھے اور نقطہء نظر ایسے ہی شفاف رکھے۔ آمین۔

حوالہ جات

سید عبداللہ، ڈاکٹر، (2018) ، ولی سے اقبال تک، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز

عبادت بریلوی، ڈاکٹر، (1997) ، غزل اور مطالعہ غزل، کراچی: انجمن ترقی اردو

شاہ، فرحت عباس، (2023) ، اردو کا ادرا کی تنقیدی دبستان، کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز

سلیم اختر، ڈاکٹر، (1997) ، تنقیدی دبستان، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز

☆☆☆